محسوس کرتے تھے۔ شیخ محمد عبدہؒ کی کوشش تھی کہ مصر اور مصر سے باہر دوسرے عرب ممالک میں دو طریقۂ تعلیم کے بجائے ایک ہی طریقۂ تعلیم رائج رہے۔ کیونکہ مستقبل میں اس کے خطرات کو محسوس کر رہے تھے۔ اور اسی لئے ان کی کوشش تھی کہ جامعہ ازہر جدید و قدیم کا سنگم بنے۔ اور علم کی روشنی کا ایک ایسا منارہ بنے کہ ہر عرب ملک اس کی روشنی میں اپنے تعلیمی پروگرام مرتب کر سکے لیکن وہ اس میں ناکام رہے، حسن البنا نے بڑی ذہانت اور دوراندیشی سے [illegible] دونوں دھاروں کے درمیان جو باہمی اختلافات تھے ان کو ختم کر کے لوگوں کو ایسی [illegible] پر لا کھڑا کیا جہاں قدیم و جدید کی بحث [illegible] نہ ہونے پائے۔ سب کے دلوں میں اسلام کی عظمت، قوم کی محبت، علم کا عشق اور سامراج سے نفرت کا جذبہ پیدا کیا۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام میں جدید و قدیم کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ پوری قوم ایک وحدت ہے۔ اور ملک و دین کو ہر طرح کے لوگوں کی ضرورت ہے۔ اور ضرورت کے اعتبار سے تعلیم و تربیت ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایک ماں کبھی قدیم علوم کا عالم اور محقق پیدا کرتی ہے۔ تو یہی ماں اس ملک کا قائد اور ہیرو بھی پیدا کر سکتی ہے۔ ایک ماں اگر دینی تعلیم کے لئے مدرس پیدا کر سکتی ہے تو وہی ماں ایک ماہر ڈاکٹر بھی پیدا کر سکتی ہے، ایک ماں اگر مسجد کا امام پیدا کر سکتی ہے تو وہی ماں ایک سیاسی مدبر اور رہنما بھی پیدا کر سکتی ہے۔ ملک کو جس طرح ایک اچھے ڈاکٹر، ایک مدبر، اور قائد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح دین کے حامی اور محافظ، مسجد کے ائمہ اور مؤذن اور اسکولوں میں دین کو فروغ دینے والے اساتذہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سماج کے تمام افراد ایک ہی پیشے کے ہوں، بلکہ ہر سماج مختلف پیشے والوں سے مرکب ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اخوان کی تنظیم میں تمام طبقے [illegible] کو شامل کیا [illegible] سب سے بڑی بات یہ کہ انہوں نے [illegible] پیدا کیا [illegible]

دلوں کو ختم کیا۔ اور مساوات کا صحیح تصور جو اسلام کی دین ہے دلوں میں ڈالا۔

۲) اخوان کی تنظیم سے پہلے تمام عرب ممالک میں مقامی قوم پرستیوں کا زور تھا۔ اور صدیوں سے اسلامی تاریخ نے جو اس علاقہ میں زندگی بخشی تھی، اور جس کے فیض سے ان کو دنیا میں عزت حاصل ہوئی تھی، اس کو نظر انداز کر کے اسلامی تاریخ سے پیچھے ہٹ کر اپنے حسب و نسب کو ڈھونڈھ رہے تھے اور اس دور کے تمدن اور ثقافتی نشانات کو پہاڑوں کے پتھروں اور کھنڈرات کی دیواروں میں تلاش کر رہے تھے۔ یہ سامراجی طاقتوں کی ایک چال تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر علاقہ کے لوگوں کو اسلام سے الگ کر کے قدیم تاریخ کا شیدائی بنا کر تمام عرب ممالک کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ مقامی تحریکوں کے جلو میں عرب قومیت بھی وجود میں آئی تھی۔ جس کا مقصد عرب قومیت کے نام پر عربوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنا تھا۔ اور عربی زبان کے جادو سے یہ تحریکیں ہر علاقہ میں پھیل رہی تھیں۔ اخوان المسلمون کی تحریک نے اس تحریک کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کی تائید ہی کی۔ لیکن انہوں نے اس بات میں یہ بات بھی اضافہ کرنے کی کوشش کی، کہ عرب قومیت یا عرب قوم یا عربی زبان کو جو اہمیت، وسعت، عظمت حاصل ہوئی۔ وہ قرآن مجید اور اسلام کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے عرب قومیت یا عربی زبان سے قرآن اور اسلام کا عنصر نکال لیا گیا۔ تو اسلام سے پہلے کی عربی زبان اور عرب قوم کوئی معنی نہیں رکھتی۔ عرب قومیت کی تحریک اس کا ردعمل تھی۔ اور اخوان کے ادیبوں اور مصنفوں نے اس بات کو پورے طریقہ سے واضح کرنا چاہا، کہ اگر کسی قوم نے یا کسی ملک کے حکمرانوں نے کوئی زیادتی یا غلط اقدام کیا ہے تو ہم کیوں اپنی عقل و حواس کھو بیٹھیں۔ ہر شخص اپنی غلطی کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ اخوان کے مختلف گوشوں سے عرب قومیت کے خلاف آوازیں اٹھیں اور ان کا تصادم ہر ملک میں عرب قوم پرستوں سے ہوا لیکن اخوانی ذہن ہر علاقہ میں کام کرتا رہا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ عرب قوم بعد کچھ عرصہ کے بعد عرب قومیت کے لسانی تصور سے

آگے بڑھ کر سیاسی اور اقتصادی فلسفہ اور نظام کی طرف مائل ہوئے۔ اور عرب قومیت میں کہیں کمیونزم اور کہیں سوشلزم کا رنگ دینے لگے۔ چنانچہ اخوان کے لوگوں کو اس تبدیلی کا اندازہ ہوا، اور انہوں نے کھل کر عربوں کو کمیونزم اور سوشلزم کے بے جان اور بے موقع نعروں سے آگاہ کیا۔ اخوان کی تحریک اگرچہ قومی اور مقامی تحریکوں کو ختم تو نہ کر سکی لیکن اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا، اور ان کو بے جان یقیناً کر دیا۔ کہ آج مصر میں فرعونیت کا نعرہ لگانے والا کوئی ادیب و صحافی نظر نہیں آتا۔ اس طرح وہاں عرب قومیت کی تحریک بھی بے جان ہو چکی ہے۔ اور دوسرے عرب ممالک میں خود عرب پروروں کے درمیان جو سیاسی اختلافات ذاتی مصلحتوں کی خاطر وجود میں آئے، یہ تحریک روز بروز سکڑتی گئی اور تیس برس پہلے اس تحریک کا جو اثر عرب نوجوانوں کے ذہنوں پر تھا۔ وہ ہلکا ہونے لگا۔ اور آج وہ عربوں کے اتحاد و اتفاق کے راہ کی تلاش میں کوشاں و سرگرداں ہیں۔

(۳) بیسویں صدی کے شروع سے عرب ملکوں میں زبان کا مسئلہ بھی ایک سیاسی مسئلہ بن رہا تھا۔ یعنی ہر ملک میں یہ کوشش ہو رہی تھی کہ مقامی زبانوں کے لہجہ کو اصل زبان کا مرتبہ دیدیا جائے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ گھر و بازار میں جو زبان بولی جاتی ہے۔ وہی زبان اصل ہے۔ اسی زبان کو ذریعۂ تعلیم ہونا چاہئے۔ اور اسی زبان میں تصنیف و تالیف کا کام ہونا چاہئے۔ اور اگر مقامی زبانوں کو ترقی دی گئی تو آئندہ نسلوں کو اس زبان سے زیادہ لگاؤ اور تعلق پیدا ہوگا۔ کیونکہ یہی زبان ہے جس کو انہوں نے اپنی لگن ۔ ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تمام عرب ملکوں میں الگ الگ مقامی زبانیں ہیں اور اگر ان کو اس زبان کا درجہ و مرتبہ حاصل ہو گیا تو تمام عرب ممالک مختلف زبانوں میں بٹ جائیں گے۔ اور زبان کی وحدت جو عربوں کی وحدت کا بہت بڑا ذریعہ ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اخوان المسلمون کی تحریک کا سب سے بڑا

اثر یہ ہوا کہ یہ مقامی تحریکیں بغیر کسی بحث ومباحثہ کے ختم ہونے لگیں۔ چونکہ اخوان کی طرف سے جو بھی رسالے اور اخبارات نکلے وہ مقامی زبانوں کے بجائے صحیح زبان پر زور دیتے اور خود اخوان کی تنظیم میں جو مختلف ممالک کے نوجوان مصنفین اور محققین تھے ان کے ایک دوسرے کے روابط سے زبان کا مسئلہ خود بخود حل ہوتا گیا۔ حسن البنا، شیخ باجوری سعید رمضان، شیخ الغزالی کی تقریروں کو شام، عراق، لبنان اور اردن کے نوجوان گھنٹے تو سر دھنتے، اور اسی طرح شام کے پروفیسر مصطفیٰ السباعی، علی الطنطاوی کی تحریر وتقریر کا جادو مصر کے نوجوانوں پر بھی اتنا ہی تھا، جتنا کہ شام کے نوجوانوں پر اور عراق میں شیخ محمد الصورت نے عراق کے نوجوانوں کی ذہنی اور تعلیمی تربیت کا وہی نہج اختیار کیا جو حسن البنا نے مصر میں کیا تھا، اور اخوان کے نوجوانوں کے تربیتی کیمپس جو مختلف عرب ممالک میں وقتاً فوقتاً لگائے جاتے ان میں یہ لیڈران اور مقررین اپنی تقریروں سے دلوں کو موہ لیتے، اور ہر علاقہ کے نوجوانوں پر ان کی ایسی چھاپ تھی کہ جب وہ تقریر کرنے کھڑا ہوتا تو ایسا لگتا کہ وہ السباعی اور البنا، اور الصورت کے لہجہ میں بول رہا ہے، میری حقیر رائے میں اخوان کے نوجوانوں نے اسلامی عقیدہ کی محبت بھی کی، اور عربی زبان سے بھی عشق کیا۔ اس سلسلہ سید قطب نے اعجاز القرآن پر «التصویر الفنی فی القرآن» «مشاہد القیامۃ فی القرآن» کے عنوان سے جو دو اہم کتابیں لکھیں ان میں انہوں نے قرآن کے اعجاز کو خود معجزانہ ادبی پیرایہ میں اس طرح پیش کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی اور کالجوں کے لڑکوں کو اس طرح پڑھتے دیکھا کہ انہیں کوئی نعمت عظمیٰ مل گئی اور اپنی تحریروں میں اس کے زبان وبیان کی تقلید بھی کرتے۔

(۴) اخوان کی تحریک سے پہلے ہمیں عرب ممالک میں کوئی تحریک اتنی جامع اور ہمہ گیر نظر نہیں آتی، ہر ملک میں کچھ مذہبی تنظیمیں اور انجمنیں تھیں جو اپنے اپنے علاقوں میں حالات کے مطابق کام کر رہی تھیں۔ اس طرح جو سیاسی وسماجی تحریکیں تھیں ان پر بھی مقامی

چھاپ تھی۔ اپنے اپنے ملک کے مسائل کے مطابق وہ عوام کی رہنمائی کر رہی تھیں جدید دور میں اخوان پہلی تحریک و تنظیم ہے جس نے سیاست و مذہب کو ساتھ لے کر عوام میں زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور اس مغربی فکر کے خلاف محاذ آرائی کی گئی، کہ مذہب اور سیاست دونوں الگ الگ ہیں، خدا مسجد میں ہے اور عبادت کا منشا آخرت کا حصول ہے۔ زندگی کی دوسری راہوں میں مذہب کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ اخوان نے اپنی تحریک کو مقامیت کے دائرہ سے نکالا، اور تمام عرب ملکوں کی تحریک بنایا۔ اس کی مقبولیت اور وسعت کا پہلا سبب تو یہی ہے کہ اس نے عرب ملکوں کی اکثریت کے دلوں میں اسلام کی محبت اور اسلامی تاریخ سے عشق پیدا کیا۔ اور اسلامی ملکوں کے دشمنوں کو مشترک دشمن تصور کیا۔ دشمن ایک ہی ہے اگرچہ اس کے چہرے اور بولیاں الگ الگ ہیں اسی طرح سامراج کا تصور اخوان نے صرف وطن اور ملک پر قبضہ کرنے والوں کا ہی نہیں رہا بلکہ ان کے نزدیک ہر وہ طاقت جو مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرے اور ان کے عقیدہ کے خلاف زہر پھیلائے اور ان کے وطن پر جابرانہ طور سے حکومت کرے وہ سب سامراج ہے چنانچہ پہلی بار عرب ملکوں کی تاریخ میں سامراج کے خلاف متحدہ طور پر ایک ساتھ نعرہ لگانے والوں کی جو آواز سنائی دی اس میں صرف اخوان ہی کا فضل ہے۔ بہرصورت یہ چند باتیں تھیں۔

(۵) دنیا کے مختلف ملکوں میں جو بھی مذہبی تحریکیں یا تنظیمیں تھیں ان سے اخوان کے ذمہ داروں نے روابط پیدا کئے اور ان کے لٹریچر کو عربی یا انگریزی زبان میں منتقل کرانے پر زور دیا۔ اور ان کو اپنے تربیتی مراکز کے کتب خانوں میں رکھا، اور نوجوانوں کو ان کے مطالعے کی ترغیب دی تاکہ ان کے ذہن و فکر کے افق میں وسعت پیدا ہو، اور فطری طور پر اسلامی فکر و خیال کے مصنفین سے قریب سے قریب تر ہو سکیں۔ چنانچہ انہوں نے علامہ اقبال کی بہت سی نظموں کا عربی میں ترجمہ کرایا اور ان کی نظموں کو اسی دھن اور سوز سے پڑھتے جس طرح اردو یا فارسی دال

پڑھتے ، چنانچہ ان کا یہ ترانہ ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

اس کا عربی ترجمہ ؎

الہند لنا، الصین لنا، العرب لنا، الکل لنا
اضحی الاسلام لنا دینا وجمیع الکون لنا وطنا

یہ ترانہ اخوان کا ترانہ بن گیا تھا۔ اور ان کی تربیتی مراکز میں نوجوان اسکو بار بار پڑھتے اور دہراتے ۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس ترانے کے اثرات نوجوانوں کے چہرے پر دیکھے۔

اسی طرح اخوان کے حلقے کی طرف سے سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں کے ترجمے کرائے گئے اور اخوان کے تربیتی نصاب میں انہیں شامل کیا گیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وہ کتابیں جو عربی ہی میں لکھی گئیں اخوان حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں اور خاص طور سے مولانا کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" جو اپنی فکر اور زبان دونوں اعتبار سے اس صدی کی اہم تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔ اخوان کے رہنماؤں نے اس کتاب سے بھی پوری طرح فائدہ اٹھایا، اور ان کے حلقوں میں یہ کتاب بڑی عظمت اور محبت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔

اخوان کے ذمہ داروں نے دنیائے اسلام کے مفکرین سے روابط پیدا کرنے کے بعد ان سے صلاح ومشورہ بھی کرتے اور ان کے مشوروں کو خواہ وہ ان کے مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ ہو بسروچشم قبول کرنے کے لئے تیار رہتے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جب قاہرہ میں اخوان کے ذمہ داروں کو خطاب کیا۔ تو انہوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اخوان کی ان خامیوں کی طرف اشارہ کیا جن کو انہوں نے قریب سے دیکھ کر محسوس کیا تھا۔ خاص طور سے جماعت میں جو جذباتی عناصر بڑھتے جا رہے ہیں ان کو مولانا نے

روکنے کی طرف اشارہ کیا۔

مولانا نے اپنی کتاب (کاروان حیات) میں اپنی تقریر "اربد ان اتحدث الی الاخوان" میں اخوان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، کے بعد اخوان پر اس کے جو اثرات مرتب ہوئے۔ فرماتے ہیں ۔ اخوان ہی مجھے اس دور میں واحد اسلامی جماعت نظر آتی ہے جن کے یہاں اس قدر فراخ دلی ہے، وہ میٹھی اور کڑوی) ہر بات کو سنتے ہیں۔

اس طرح اخوان کی اس علمی مساعی کے ذریعہ عرب نوجوان دنیائے اسلام کے مفکرین کی علمی اور ادبی تخلیقات سے واقف ہوتے۔ اسی طرح اپنے علمی اور مذہبی افکار و نظریات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ عرب نوجوانوں میں اسلام کے عالمی اور آفاقی ہونے کا تصور پختہ ہوتا گیا۔ اور ہزاروں عرب نوجوان مقامیت یا عرب قومیت کے محدود اور مبہم تصور کے دائرہ سے نکل کر اسلام کے وسیع دائرہ میں آئے۔ جن کو سامراجی طاقتوں نے محدود یا کمزور کر دیا تھا۔

بہر صورت یہ چند باتیں تھیں جن کو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کی، یوں تو موضوع اتنا وسیع ہے کہ جتنی گفتگو کی جائے وہ کم ہے۔

(خدا بخش لائبریری میں پڑھا گیا)

(ختم شد)